الغرض اس طاقتور مرکزی حکومتوں کا قیام عمل میں آیا جو اپنی نوعیت میں غیر مذہبی تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے شریعت اور ارباب شریعت کو اپنے قلمروؤں میں ایک مؤقر جگہ دی۔ اگرچہ دین اور دنیا کی یکجائی پورے طور پر عمل میں نہ آسکی کیونکہ دونوں حکومتوں کا فوجی اور حکومتی نظام غیر اسلامی خطوط پر تعمیر کیا گیا تھا لیکن ترک اور مغل حکمرانوں نے دینی عناصر کی تائید حاصل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی تاکہ ان کے نظام حکومت کی مذہبی اور روحانی اہمیت قائم رہے۔

لیکن مسلمانوں کی مذہبی زندگی کے دونوں دھاروں میں سے تصوف کا اثر زیادہ پائیدار اور ہمہ گیر تھا۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں صوفی سلسلوں کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ بڑے بڑے صوفی سلسلوں نے عالم اسلامی کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک اپنی تنظیم پھیلا دی۔ ان کے مقامی سلسلوں اور ذیلی شاخوں نے مختلف طبقوں اور پیشوں کے افراد کو ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ اس تبدیلی سے قطع نظر اسلامی تہذیب اس زمانے میں ماضی کے ورثہ پر قائم تھی۔ اس نے اپنے گزشتہ فکری اور روحانی کارناموں کی کامیاب حفاظت کی لیکن ماضی کے ورثے میں وہ کوئی مزید اضافہ نہ کر سکی اور نہ اس نے عقل و فکر کے میدان میں ترقی کا کوئی قدم آگے بڑھایا۔ اس کے نمائندوں کا احساس فرض توسیع اور تجدید کی کوششوں میں نہیں بلکہ بقا۔ استحکام اور حفاظت کی مساعی میں صورت پذیر ہوا۔ ان حدود کے اندر انہوں نے جتنی وحدت قائم رکھی اور جتنا معاشرتی استحکام پیدا کیا۔ وہ یقیناً ان کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

لیکن اس وحدت اسلامی کی تعمیر میں ایک خامی پیدا ہو گیا۔ سولھویں صدی کے آغاز میں آذربائیجان کے ترکی قبائل کی مدد سے ایک نئے شاہی خاندان نے ایران پر حکومت قائم کی۔ اس نئے حکمران خاندان نے شیعیت کے بجھتے ہوئے چراغ کو پھر سے روشن کیا اور اسے ایران کا سرکاری مذہب بنا دیا۔ ترکان عثمانی، وسط ایشیا کے ترکی حکمرانوں اور ہندوستان کے مغلوں سے اس شیعی خاندان کو طویل طویل جنگیں لڑنی پڑیں اور ان جنگوں کے نتیجہ میں ایسے قومی اور مذہبی جذبات برانگیختہ ہو گئے کہ شیعیت اور ایرانیت جو اب تک الگ الگ تھیں باہم متحد اور پیوست ہو گئیں۔ ایران اور اس کی ہمسایہ سلطنتوں کے درمیان ایک مستقل خلیج حائل ہو گئی جس کا نتیجہ دونوں فریقوں کے لئے ناخوشگوار تھا۔ اس نے اسلامی وحدت کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ جن کے درمیان تہذیبی اور روحانی روابط کا کوئی وسیلہ نہ تھا۔ یا اگر تھا تو نہایت معمولی اور غیر مسلسل۔ علاوہ ازیں اس فصل کے نتیجہ میں ایران اسلامی تہذیب کی اجتماعی زندگی سے بالکل الگ تھلگ ہو کر اپنے تنگ حدود میں محصور ہو گیا۔ جس سے اس کی تہذیبی اور علمی زندگی میں پژمردگی پیدا ہو گئی۔ علاوہ ازیں جو نہی ایرانی سیاسی قوت کمزور ہوئی افغانی قبائل اس سے کٹ کر اٹھارھویں صدی میں ایک علیحدہ حکومت بن گئے۔ اور انہوں نے اپنی الگ حکومت قائم کر لی جو مذہباً سنی تھی۔

اٹھارھویں صدی میں عثمانی ترکوں اور ہندوستانی مغلوں کی طاقت کا زوال شروع ہو گیا۔ مغلوں کی سلطنت کو ہندو مرہٹہ بغاوت کی وجہ سے سخت صدمہ پہنچا اور یہ سلطنت اتنی کمزور ہو گئی کہ بالآخر انگریز تاجروں نے نہایت آسانی سے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ ترک اپنے ایشیائی مقبوضات پر قابض رکھنے میں کامیاب رہے لیکن اس سلسلے میں انہیں مغربی اقوام کے جنگی طریقوں کا استعمال کرنا پڑا

جس کی وجہ سے ان پر مغرب کے تہذیبی اثرات غالب آگئے۔ پھر جب پہلی جنگِ عظیم کے بعد عرب ممالک ان کے قبضے سے نکل گئے تو انہوں نے اپنے معاشرہ کو بالکل مغربی سانچوں میں ڈھال لیا۔

لیکن مسلمانوں کے سیاسی زوال سے اسلام کی مذہبی طاقت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ دین اور دنیا کی علیحدگی کا سلسلہ بہت زمانہ سے شروع ہو چکا تھا۔ اس لئے جب مسلمانوں کی دنیوی طاقت کو زوال آیا تو ان کے دین میں ایک نئی قوت اور زندگی پیدا ہو گئی۔

شمالی مغربی افریقہ کے عربوں اور بربروں کی قبیلہ پرستی کے باعث اس علاقہ میں کوئی تہذیبی سرگرمی نہیں پیدا ہو سکی یہاں صوفیا اور علماء و ولیوں اولیا پرستی اور مزار پرستی میں مبتلا تھے۔ البتہ تیونس اور بعض دوسرے شہروں میں عربی اور اسی تہذیب کی روایات قائم رہیں۔ مراکش اور صحرائے اعظم کے مغربی حصوں میں بھی قدیم دینی علوم کا کچھ نہ کچھ چرچا باقی تھا۔ جس کو کبھی کبھی مشرقی عرب سے مزید تقویت ملتی رہتی تھی۔

جزائر شرق الہند میں تیرھویں اور چودھویں صدی کے دوران میں مسلمان تاجروں کے ذریعہ جاوا اور سماٹرا میں اسلام کی اشاعت عمل میں آئی۔ بعض فوجی سرداروں کی فتوحات اور بالخصوص پُرامن تبلیغ کے ذریعہ اسلام ان جزائر کے اندرونی علاقوں میں بھی پھیلنے لگا۔ سماٹرا کے مبلغین کی جد و جہد سے جزیرہ نما ملایا کی آبادی بھی اسلام سے روشناس ہوئی، چین میں اسلام کے داخلہ کے متعلق کوئی صحیح تاریخی مواد نہیں ملتا۔ غالباً تیرھویں اور چودھویں صدی میں منگول سلطنت کے قیام کے ساتھ ہی اس ملک میں مسلمان آباد ہونے لگے تھے۔ اور مانچو حکمرانوں کے تحت ان کی آبادی میں مزید اضافہ ہوا۔

اس طرح تیرہ سو سال کے عرصہ میں اسلام ایک وسیع علاقہ کی آبادی کا مذہب بن گیا۔ یہ علاقہ شمالی افریقہ سے شروع ہو کر مغربی ایشیا اور وسط ایشیا سے لے کر چین تک پھیلا ہوا ہے۔ یورپ میں مسلمانوں کی کچھ آبادی بلقان کے ممالک اور جنوبی روس میں پائی جاتی ہے شمالی اور جنوبی امریکہ کے ملکوں میں بھی مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہیں، مگر ان میں اکثریت ایسے اشخاص اور خاندانوں کی ہے جو مشرقِ وسطیٰ کے عرب ممالک سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا)

(بقیہ تاثرات از صفحہ ۴)

تصور ہے۔ اس طرح ہم لادینی عناصر کو قوت بہم پہنچائیں گے اور خود ہی اسلام کی ناکامی کے ذمہ دار بنیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کمیشن کے لئے ایسے اشخاص کا انتخاب کیا جائے جو اسلام کے رفادار اور اسلامی علوم سے آشنا ہوں، لیکن ساتھ ساتھ زندگی کے نئے تقاضوں اور حالات سے بھی باخبر ہوں جو نہ تو اتنے جامد ہوں کہ ہر ہر حرف فقہ کو عین اسلام سمجھتے ہوں اور نہ اتنے ترقی پسند کہ فروع سے بیزار ہو کر اصل کو بھی کھو بیٹھیں۔ اس کمیشن میں ایسے لوگوں کو آنا چاہیے جو کلمہ طیبہ کو

مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ

کلمہ حق کی مثال اس درخت کی ہے جس کی جڑیں مضبوطی سے اپنی جگہ قائم رہیں لیکن جس کی شاخیں آسمان تک پھیل جانے والی ہوں۔

رئیس احمد جعفری

جزیہ

جزیہ ——— یہ ایک بڑا بدنام لفظ ہے۔

یہ لفظ جیسے ہی غیر مسلموں کے کان میں پڑتا ہے۔ وہ خفا ہو جاتے ہیں۔ برہم ہو جاتے ہیں۔ اسلام کو برا سمجھنے لگتے ہیں اسلام کے متعلق غیر مناسب الفاظ اور تند و تلخ لب و لہجہ میں اظہار خیال کرنے لگتے ہیں۔

لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو نہ اسلام کو جانتے ہیں نہ جزیہ کو۔

جنہیں نہیں معلوم کہ اسلام نے جہاں اور تمام معاملات حیات میں غیر مسلموں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ آسانی اور سہولت دی ہے وہاں ٹیکس اور محصول کے معاملہ میں بھی مسلمانوں پر انہیں ترجیح دی ہے۔ مسلمانوں سے طرح طرح کے ٹیکس اور محصول لئے جاتے ہیں، لئے گئے، لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن غیر مسلموں سے ان کی جان و مال کے تحفظ کا صرف ایک ہی محصول لیا جاتا ہے۔ یہی جزیہ ہے اور جب مسلمان اس قابل نہیں رہتے کہ ان ذمیوں کی جان و مال کا تحفظ کر سکیں تو یہ رقم پوری دیانتداری کے ساتھ واپس کر دیتے ہیں اور غیر مسلموں کی دعائیں لیتے ہیں۔ وہ تمنائیں کرنے لگتے ہیں۔ کہ یہ مسلمان نہ جائیں پھر ہم پر حکومت کرنے لگیں۔

پھر یہ جزیہ کوئی بڑا ٹیکس نہیں آتا معمولی محصول ہے، جسے بڑی آسانی کے ساتھ ہر شخص ادا کر سکتا ہے۔

اب ہم جزیہ اور اس کے متعلقات پر اسلامی کتاب الآئین کی روشنی میں گفتگو کرتے ہیں۔ تاکہ مسئلہ کا ہر پہلو صاف اور منقح ہو جائے۔

جزیہ کی تعریف — جزیہ اس مال کا نام ہے جو اہل ذمہ سے لیا جاتا ہے۔[1]

جزیہ کس سے لیا جاتا ہے — جزیہ فقط اس ذمی پر واجب ہوتا ہے کہ۔

۱۔ مرد بالغ ہو۔

۲۔ لیاقت قتال رکھتا ہو۔

۳۔ عاقل ہو۔

۴۔ محترف (پیشہ ور) ہو۔[2]

جزیہ کی مقدار ۱۔ جزیہ اگر صلح و تراضی سے مقرر کیا گیا ہے تو اس کی مقدار وہی رہے گی جس پر باہم اتفاق ہوا ہے۔[3]

---

[1] ملاحظہ ہو نہایہ۔ [2] ہدایہ۔ [3] کافی

٣- اس مقدار میں زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی

قدر معلوم - لیکن اگر مسلمانوں نے صلح و تراضی سے جزیہ مقرر نہ کیا ہو بلکہ مغلوب و مفتوح ہونے کے بعد کفار پر جزیہ عاید کیا جائے تو اس کی مقدار اور نوعیت کیا ہوگی؟ اس سوال کا جواب بھی فقہ نے بہت صاف دے دیا ہے۔

اور اگر امام المسلمین کافروں پر جنگ کر کے غالب آئے۔ اور ان کو ان کی املاک پر باقی رکھ کر جو جزیہ مقرر کرے گا - وہ مقدر بہ قدر معلوم ہے۔

١- تونگر پر ہر سال میں وزن سبعہ[1] کے ٤٨ درہم یا ماہوار ٤ درہم

٢- متوسط الحال سے ٢٤ درہم سالانہ یا ٢ درہم ماہوار

٣- فقیر معتمل (برسرکار) سے ١٢ درہم سالانہ یا ایک درہم ماہوار[2]

شناخت کیوں کر ہو؟ تونگر، متوسط الحال اور فقیر یہ الفاظ ہیں —— ان کا اطلاق کیسے کیا جائے؟ کسے ہم تونگر سمجھیں؟ کسے متوسط الحال قرار دیں؟ کسے فقیر تصور کریں؟ اس تعیین میں اختلاف رائے تو ہو سکتا ہے؟ یعنی ممکن ہے اسلامی حکومت جسے تونگر قرار دے وہ دعوےٰ کرے میں متوسط الحال ہوں۔ جسے متوسط الحال مانے، وہ کہے میں فقیر ہوں؟ —— اس سوال کا فیصلہ کیسے ہوگا؟

فقہ نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے؛

"علماء نے تونگر، متوسط الحال اور فقیر معتمل کی شناخت میں گفتگو کی ہے چنانچہ شیخ ابو جعفر نے فرمایا - کہ ہر جگہ میں وہاں کا عرف معتبر ہوگا پس جس بلاد والے اپنے شہر میں جسے تونگر یا متوسط یا فقیر شمار کرتے ہوں۔ وہ ایسا ہی ہوگا اور یہی اصح ہے۔

ایک اور معیار - امام کرخی رح نے فرمایا ہے کہ فقیر وہ ہے جو تقریباً دو سو درہم کا مالک ہو متوسط وہ ہے جو دو سو سے زاید دس ہزار درہم تک مالک ہو - اور تونگر وہ ہے جو دس ہزار درہم سے زائد کا مالک ہو شیخ رضی اللہ عنہ یعنی قاضی حسن بن منصور کا قول ہے کہ اعتماد اس باب میں کرخی کے قول پر ہے[3]

---

[1] وهو للذهب عشرون مثقالا والفضة مئتا درهم كل عشرة منها سبعة مثاقيل العلماء هذا الوزن يسمى وزن سبعة والمثقال عشرون قيراطا والدرهم اربعة عشر قيراطا والقيراط خمس شعيرات (خلاصہ: درہم [illegible] مثقال [illegible] [illegible] ماشہ [illegible] رتی [illegible] ماشہ [illegible] رتی - [illegible] کا ترجمہ یوں ہے [illegible] مثقال ہے اور [illegible] دس درہم سات مثقال کے برابر ہے - اسی وزن کو اصطلاح فقہ میں وزن سبعہ کہتے ہیں - مثقال میں قیراط [illegible] قیراط پانچ جو کے برابر ہوتا ہے - خلاصہ یہ ہے کہ درہم [illegible] مثقال یعنی ٣ [illegible] قیراط کا ہوتا ہے [illegible] ہمارے ملک کے حساب سے ایک درہم وزن [illegible] ماشہ [illegible] رتی یعنی [illegible] ماشہ [illegible] رتی کے قریب ہوتا ہے جس کی قیمت آج کل کے حساب سے تقریباً چار پانچ آنے ہوتی ہے

[2] فتح القدیر نیز ہدایہ اور کافی ١٢   [3] فتاویٰ قاضی خاں

بیماری کی معافی اگر ذمی تمام سال بیمار رہا اور اس نے کام کرنے پر قدرت نہ پائی۔ تو اگر وہ تونگر ہے تو بھی اس پر جزیہ واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر نصف سال یا زیادہ بیمار رہا۔ تو بھی یہی حکم ہے [1]

غور فرمائیے یہ رعایت۔ تونگر ذمی تک کو دی جا رہی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذمی سے جو جزیہ لیا جاتا ہے وہ اس کی جمع جتھا سے نہیں لیا جاتا بلکہ صرف اس کی کارکردگی سے وصول کیا جاتا ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ ایک تونگر ذمی اگر سال بھر یا چھ مہینے بیمار رہے تو اس پر سے جزیہ ساقط ہو جائے۔

جزیہ سے استثنا کچھ ایسے لوگ بھی ہیں۔ اسلامی حکومت جن کے حفظ و دفاع کی ذمہ دار ہے، لیکن ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا

- واضح ہو کہ عورت بچہ، اندھا، مفلوج، بوڑھا اور فقیر غیر معتمل (بیکار) جزیہ سے مستثنیٰ ہیں [2]
- مجنون اور اپاہج پر بھی جزیہ نہیں ہے [3]
- معتوہ سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا " [4]

چند اور مستثنیات جزیہ کے سلسلہ میں مستثنیات کی فہرست خاصی طویل ہے۔ چنانچہ مذکورہ لوگوں کے علاوہ اور بھی کچھ لوگ جزیہ سے معذور قرار دیئے گئے ہیں۔

مملوک مکاتب، مدبر، ام ولد پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا۔ نہ ان کے موالی، آقا، ان کی طرف سے ادا کریں گے ——— نہ راہبوں پر جزیہ عاید کیا جائے گا [5]

غلبہ کے بعد جزیہ فقہ اس کی بھی اجازت دیتی ہے کہ دشمن کو مغلوب کر لینے کے بعد اس سے جزیہ لے لیا جائے اور اس کی تمام ملک اسے واپس کر دی جائیں۔

- اور اگر امام کسی قوم اہل حرب پر غالب آیا اور پھر اس کو مناسب معلوم ہوا کہ ان کو ذمی بنا کر ان پر اور ان کی اراضی پر خراج باندھے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے سواد کوفہ والوں کے ساتھ کیا تھا۔ تو یہ جائز ہے جب ایسا کیا گیا، تو یہ لوگ ذمی ہو جائیں گے۔ اور

۱۔ کنیسہ بنانے

۲۔ بیعہ بنانے

۳۔ آتش خانہ بنانے

۴۔ بیع خمر

۵۔ اور بیع خنزیر سے منع نہ کئے جائیں گے [6]

کیا ایک مغلوب اور مفتوح دشمن کے ساتھ اس سے بڑھ کر بھی کوئی بات کی جا سکتی ہے؟

---

[1] الفلاح [2] الہدایہ [3] اختیار شرح مختار [4] البحر المحیط [5] الہدایہ [6] سراج وہاج۔

جزیہ کی تاریخ ۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ جزیہ اسلام کی بدعت ہے۔

تاریخ کے اوراق کھنگالے جائیں تو معلوم ہوگا کہ جزیہ بہت پرانا محصول ہے۔ فرق جو کچھ ہے وہ یہ کہ مسلمانوں نے اس بوجھ کو ہلکا کر دیا اور تمام حقوق مساوات عطا کر دیئے۔ مسلمانوں سے پہلے یہ حقوق کسی کو حاصل نہ تھے اور یہ بوجھ جان لیوا بن گیا تھا۔

"یہ قدیم زمانہ کا ایک ٹیکس ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں جب ایشیائے کوچک کے باشندوں کو یونانیوں نے اپنی حمایت میں لے کر فنیقیوں کے حملے سے بچایا ہے تو ان سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا جس کو حفاظت جانی کے صلے میں یہ لوگ خوشی سے ادا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح رومانیوں نے جب گال (فرانس) کا ملک فتح کیا ہے تو وہاں کے باشندوں پر ۹ گنی سے ۱۵ گنی تک سالانہ جزیہ وصول کیا تھا۔ اس کے بعد رومانیوں سے ایران میں یہ ٹیکس گیا جس کا نام گزیت تھا گزیت کے لغت میں یہ معنی ہیں۔"

"گزیت وجہے باشد کہ حکام ہر سال از رعایا گیرند و آن را خراج ہم گویند و زرے را نیز گویند کہ از ذمی می ستانند"

گزیت کی سند میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

کہش خاقان خراج چیں فرستہ   کہش قیصر گزیت دیں فرستہ   (نظامی گنجوی)

گزیت زر بادہ شش درم   بخرماستان بر ہمیں دو قسم   (فردوسی)

فردوسی کہتا ہے کہ ساسانی عہد میں انگور کی ٹیلوں اور کھجوروں پر چھ درہم کے حساب سے لگان (گزیت) لیا جاتا تھا۔

جب مسلمانوں نے ایران فتح کر لیا تو غیر مسلم رعایا پر حفاظت جان و مال کے معاوضہ میں جزیہ مقرر کیا گیا اور جزیہ دینے والے فوجی خدمات سے معاف کر دیئے گئے۔ عہد عباسیہ میں جزیہ کی شرح یہ تھی۔

۱۔ دولتمند	۴۸ درہم	(بارہ روپے)	سالانہ
۲۔ متوسط	۲۴ درہم	(چھ روپے)	"
۳۔ غریب	۱۲ درہم	(تین روپے)	"

بیس سال سے کم عمر والے اور پچاس سال سے زائد عمر والے بوڑھے مرد۔ عورت۔ مجنون، مفلوج، اندھے، مفلس، راہب (عیسائی درویش) اور فوجی ملازم جزیہ سے بری تھے اور حکام کی رپورٹوں پر کمی بھی ہو جاتی تھی اور کبھی بجائے فی کس ٹیکس پیداوار کی طرح فی گھر جزیہ وصول ہوتا تھا اور یہ ٹیکس بذریعہ اقساط وصول کیا جاتا تھا اور نقدی کے عوض کبھی جزیہ میں دوسری جنس بھی قبول کی جاتی تھیں۔ چنانچہ نجران کے عیسائی بجائے نقدی کے حلے (ایک قسم کا لباس) دیا کرتے تھے۔[1]

بہر حال جزیہ کوئی مذہبی ٹیکس نہ تھا۔ بلکہ حفاظت جان و مال کا ایک معمولی معاوضہ تھا۔ اور لفظ جزیہ عربی نہیں ہے بلکہ گزیت سے معرب ہوا ہے۔

---

[1] تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان صفحہ ۱۰۹ جلد اول مطبوعہ مصر نیز حضارۃ الاسلام صفحہ ۱۴۸ و مقدمہ ابن خلدون و بلاذری۔

جزیہ کا اصل اصول جزیہ کے بارے میں اصل اصول یہ ہے:۔

"ان اللہ اوجب الجزیۃ علی من ھو اھل القتال فلا تجب علی من لیس من اھل القتال" یعنی اللہ نے اہلِ قتال پر جزیہ واجب کیا ہے۔ جو لوگ قتال کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان پر نہیں واجب ہوگا۔[1]

ذمی اگر رسولؐ کو گالی دے۔ ایک مسلمان کے لئے رسول اللہؐ سے زیادہ محبوب ہستی کس کی ہو سکتی ہے — ؛ نبی کی حرمت پر کٹ مرنا ہر مسلمان کا خوشگوار ترین فریضہ ہے۔ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن نبی کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔

لیکن اگر کوئی کافر ذمی بن چکا ہے۔ اسلام کی پناہ میں آچکا ہے۔ تو اب اگر وہ نعوذ باللہ سب نبی کرے یعنی رسالتمآبؐ کو گالی دے تو بھی اس کا ذمہ قائم رہے گا۔ اس کے حقوق قائم رہیں گے۔ اسے باغی تصور نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ ہماری طرح رسول اکرمؐ کے احترام پر مجبور نہیں ہے۔

"ذمی جزیہ دینے کا سلسلہ بند کر دے۔ مسلمان کو قتل کر ڈالے۔ آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی کرے۔ کسی مسلمان عورت کی آبروریزی کرے۔ ان میں سے کوئی فعل بھی ذمہ کو ختم نہیں کر سکتا۔ اسے قانون مروجہ کے ماتحت سزا ان جرائم کی ملے گی۔ لیکن عقد ذمہ قائم رہے گا۔ سوا اس کے کہ وہ علانیہ بغاوت کا مرتکب ہو یا فتنہ و فساد کا جرم اس سے سرزد ہو۔"[2]

ذمی کا فدیہ بیت المال سے۔ اگر کوئی ذمی اپنے کسی دشمن کے پنجہ میں پھنس جاتا ہے اور قابض دشمن اس بات پر اڑا ہوا ہے کہ جب تک فدیہ نہیں ملے گا اسے رہا نہیں کرے گا؟ — ! ایسی صورت میں اسلام کا بیت المال فدیہ کی رقم ادا کرے گا۔ اور اس غیر مسلم کو دشمن کے پنجہ سے نکال کر اپنے زیر سایہ زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کرے گا۔

"اگر کوئی ذمی دشمن کے قبضہ میں آجائے اور اس کی رہائی فدیہ پر منحصر ہو تو اس کا فدیہ مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔"[3]

یہ ہے قرونِ وسطیٰ کا اسلام! — کاش دنیا کے محکوم و مغلوب مسلمانوں کو بھی حقوق اسلام کے ہمتر فیصد ہی مل سکیں جو اسلام نے غیر مسلموں کو دیئے ہیں۔

اعتراض و جواب

افسانہ اور حقیقت کا تصادم — فقہ اسلامی کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ذمی یعنی غیر مسلموں کو اسلامی حکومت اور اسلامی غلبہ کی صورت میں کتنے اور کیسے مساویانہ حقوق دیئے ہیں۔ یہ وہ حقوق ہیں جو موجودہ دورِ جمہوریت میں کوئی حکومت اپنے سیاسی مخالفین اور مشتبہین تک کو نہیں دیتی۔ امریکہ میں میکارتھی نے تطہیر کی جو مہم شروع

---

[1] بدائع الصنائع [2] بدائع الصنائع [3] کتاب الاموال ابو عبید

کر رکھی تھی۔ اس کی رُو سے سابق صدر ٹرومین تک نہ بچ سکے۔ مصر میں جنرل نجیب اور کرنل ناصر نے نحاس پاشا کے ساتھ جو کچھ کیا اور ایران میں ڈاکٹر مصدق کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ کل کا نہیں آج کا واقعہ ہے۔ اسی طرح روس میں اسٹالن کے بعد سب سے اہم ۔ ۔ ۔ اور سب سے بڑے آدمی بیریا کو معزول کر کے حکومت کے حکم سے جس طرح گولی مار کر ہلاک کیا گیا۔ ہندوستان میں شیخ عبداللہ کی گرفتاری جس جرم کے تحت عمل میں آئی۔ ان واقعات کو سامنے رکھ کر ذمیوں اور غیر مسلموں کے حقوق پر ایک نظر ڈالئے تو زمین آسمان کا فرق نظر آنے لگا۔

اب ہم ان اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو فقہ اسلامی پر روا رکھے جاتے ہیں۔ جن کی رُو سے فقہ اسلامی پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ذمیوں کے ساتھ نامناسب برتاؤ روا رکھتی ہے۔ وہ ذمیوں سے ٹیکس لیتے وقت انہیں "ذلیل" کرنے کے لئے محصل کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ اس کا گلا پکڑ کر جھنجوڑے اور اسے "عدو اللہ" کہہ کر جزیہ کا مطالبہ کرے۔ مرتد کے لئے سزائے موت تجویز کرتی ہے۔ ذمیوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنا لباس مسلمانوں کا سا نہ رکھیں۔

یہ ہیں وہ اعتراضات جو فقہ پر وارد کئے جاتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں فقہ کی بعض کتابوں میں یہ باتیں موجود ہیں۔ لیکن یہ متاخرین فقہا کی رائے ہے اور وہ اس کی بنا قرآنی لفظ صاغرون پر قائم کرتے ہیں۔ لیکن اوّل تو "صاغرون" کا مطلب وہ نہیں جو ان متاخرین فقہا نے لیا ہے۔ دوسرے اجل فقہا نے نہ صرف ان باتوں کو تسلیم نہیں کیا بلکہ انہیں قابلِ اعتراض قرار دیا ہے۔ تیسرے یہ صرف الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ عملی طور پر یہ کبھی نافذ نہیں ہوئے۔ اور اس کا اعتراف غیر مسلم مورخین تک نے کیا ہے جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

مسئلہ ارتداد۔ مسئلہ ارتداد کے بارے میں قرآن و حدیث کا مسلک ہم اچھی طرح صفحات ماسبق میں پیش کر چکے ہیں۔ اب ہم فقہ کو لیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ فقہ مرتد کی سزا قتل تجویز کرتی ہے۔ لیکن اوّل تو اس کی عائد کردہ پابندیوں کی بنا پر اس کا نفاذ تقریباً ناممکن ہے۔

مسلمانوں کا فقہی قانون جرم ارتداد کی سزا متعین کرنے میں بہت نرم ہے۔ "موید الابصار" کا مصنف لکھتا ہے کہ کسی مسلمان کے ارتداد پر اس وقت تک فتویٰ نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اس کے الفاظ کا کوئی حسن محمل پیدا ہو سکتا ہو۔ یا جبکہ اس کے کفر میں اختلاف رائے ہو۔ اگرچہ اس اختلاف کی بنیاد غیر صحیح احادیث ہی پر کیوں نہ ہو۔[1] دوسرے جیسا کہ اس سے پیشتر ہم کہیں عرض کر چکے ہیں۔ فقہ کے سامنے ارتداد ہمیشہ بغاوت کے روپ میں آیا اور باغی کی سزا قتل کے سوا کچھ اور ہو نہیں سکتی۔ اس طرح فقہ کے نزدیک ارتداد اور بغاوت ہم معنیٰ الفاظ بن گئے۔

ناقابلِ تردید دلیل۔ ممکن ہے ہمارے اس قول کو قول بلا دلیل کہا جائے لیکن ہمارے پاس اس کی موئید ایک تائید میں ایسا محکم ثبوت موجود ہے جس کی تردید نہیں کی جا سکتی جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جس کی تاویل بھی نہیں کی جا سکتی

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد صفحہ ۳۲۰ مطبوعہ مصر

فقہ نے مرتد مرد کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ لیکن مرتد عورت کو قتل سے مستثنیٰ رکھا ہے۔ اس لئے کہ اس میں عورت ہونے کی وجہ سے یہ صلاحیت نہیں کہ وہ بادشاہ یا حکومت کے خلاف صف آرا ہو۔ برسرِ جنگ ہو اور ہتھیار لے کر اس کے مقابلے کو نکلے۔ وہ صرف مرتد ہے باغی نہیں۔ لہٰذا اس کا قتل بھی جائز نہیں۔[1] کیا ان براہین قاطع کے بعد ہمیں کسی اور دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت ہے؟

قرآنی آیت اور اس کا مطلب۔ صاغرون کا لفظ قرآن میں سورۂ توبہ کے اندر آیا ہے۔

حتّٰی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔ اس کا ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے یہ کیا ہے۔

یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں!

مولانا اشرف علیؒ اپنے عہد کے "حکیم امت" مانے جاتے تھے۔ انہوں نے "ذلیل ہو کر" ترجمہ نہیں کیا۔ "ماتحت اور رعیت بن کر" کیا اور یہی صحیح ہے!

دوسرے ائمہ کی رائے۔ امام شافعیؒ کی جلالت شان سے کون انکار کر سکتا ہے؟ ان پر امام ابوحنیفہؒ کی طرح "صاحب الرائے" ہونے کا الزام بھی نہیں ہے، وہ خالص عرب تھے، ہاشمی تھے، خاندانِ رسول کے ایک فرد تھے ان کی فقہ تمام تر حدیث ہی ہے انہوں نے بھی "صغار" کی یہ تفسیر[2] تسلیم کی ہے کہ ذمیوں کا مسلم مملکت کا قانون تسلیم کر لینا اور ٹیکس دینا بجائے خود اہانت ہے۔ اس لئے کہ جب وہ لڑنے اور مخالفت کرنے کے بجائے اطاعت پر رضامند ہو گئے تو گویا خود انہوں نے اپنے لئے ماتحتی کی زندگی پسند کر لی۔ اس کے بعد عمالِ حکومت کی طرف سے ذلت چپکانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حافظ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) کی بھی یہی رائے ہے۔ کہ ذمیوں کو ذلیل کرنے اور ان سے اہانت آمیز لب و لہجہ میں تخاطب کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ وہ آیت سے مانتے ہیں کہ آیت سے یہ مطلب نکلتا ہے نہ رسالتمآبؐ اور خلفائے راشدینؓ سے ایسی کوئی روایت پہنچی ہے۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں جو فقہ شافعی کی مستند ترین کتاب ہے فرمایا ہے

صغار یا عیسائیوں کی ذلت صرف یہ ہے کہ وہ قانون مملکت کی پیروی کریں[3]

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ یہ آیت ذمیوں کے بارے میں ہے بھی نہیں۔ اس کی شان نزول ان عیسائیوں سے متعلق ہے۔ جو شامی سرحد پر مجتمع ہو کر فتح مکہ کا خواب دیکھ رہے تھے،

مشہور حنفی المذہب مصنف جو اس صدی میں شام و مصر و ترکی وغیرہ کا مشہور فقیہ گذرا ہے اور جس کا نام ابن عابد بن محمد امین ہے۔ اور جس نے درالمختار کی شرح لکھی ہے۔ وہ اپنی کتاب ردالمختار میں لکھتا ہے کہ:

مصنف ہدایہ نے جہاں اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ از روئے حدیث ٹیکس وصول کرنے والوں کو چاہیئے کہ

---

[1] ہدایہ جلد دوم [2] فتح البیان حصہ اول نواب صدیق حسن خانؒ [3] کتاب امام شافعیؒ [4] کتاب الام (شافعی)